(۳۵)

جذبات کے اظہار کا صحیح طریق
تحریک جدید کے مطالبات کے مطابق قربانی کرنا ہے

(فرمودہ ۲۵؍ستمبر ۱۹۳۶ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

آج میں بعض ضروری امور کے متعلق خطبہ کہنا چاہتا ہوں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آواز میرا ساتھ دے۔ سب سے پہلے تو مَیں اس واقعہ کو لیتا ہوں جس کے متعلق دوستوں کی طرف سے کثرت کے ساتھ خطوط آرہے ہیں۔ یعنی ۱۷ تاریخ کا واقعہ جبکہ ناصر احمد کو چھوڑ کر میں سٹیشن پر سے واپس آرہا تھا اُس وقت موٹر پر کسی شخص نے کوئی چیز پھینکی۔ اِس واقعہ کے متعلق قدرتی طور پر دوستوں میں جوش پیدا ہؤا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تک متواتر خطوط ہندوستان کے تمام اطراف سے آرہے ہیں اور بعض جگہ سے تار بھی آئی ہے اور کئی دوستوں نے یہ اظہار کیا ہے کہ وہ اپنے کام کاج چھوڑ کر بھی یہاں قادیان آنے کیلئے تیار ہیں۔ پھر کئی دوستوں نے گورنمنٹ پر اظہارِ ناراضگی کیا ہے اور کئی نے قادیان کے دوستوں پر اظہارِ ناراضگی کیا ہے کہ آخر جب ایک گلی کے مخدوش ہونے کا انہیں علم ہے تو وہ کیوں اس جگہ پہرہ کا انتظام نہیں کرتے۔ اسی طرح کسی نے احرار کے خلاف جذبات کا اظہار کیا ہے اور کسی نے مقامی حکام کو مطعون کیا ہے۔ یہ چٹھیاں صرف احمدیوں کی طرف سے ہی نہیں بلکہ کئی غیر احمدیوں کی طرف سے ہیں اور کئی ہندوؤں کی طرف سے

بھی۔ پس ایک تو دوستوں کی تشویش کو دور کرنے کیلئے اور دوسرے اظہارِ حقیقت کیلئے میں چاہتا ہوں کہ اس امر کے متعلق بعض باتیں بیان کروں۔

جس قدر واقعہ اُس دن ہؤا ہے وہ اسی قدر ہے کہ جبکہ ہم سٹیشن پر سے واپس آرہے تھے تو اُس گلی میں جو شیخ یعقوب علی صاحب کی گلی کہلاتی ہے ان کے گھر کے قریب جب موٹر گزر رہا تھا تو اُس کی چھت پر قریباً اُسی جگہ جہاں میں بیٹھا تھا مگر ذرا بائیں طرف بائیں کندھے کے اوپر کے قریب کوئی چیز زور سے گری۔ اُس کے اندر اچھی زور کی طاقت تھی کیونکہ موٹر کی چھت پر کپڑا ہوتا ہے اور اُس کے اور لکڑی کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے مگر وہ چیز اِس زور سے گری کہ کپڑے سمیت چھت سے آلگی اور چھت کانپی اور یوں معلوم ہؤا کہ اس میں سے کچھ ذرّے بھی گرے ہیں حالانکہ اس کے نیچے بھی کپڑا ہوتا ہے۔ اس کے گرنے پر میں نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ موٹر ٹھہرائے تا دیکھا جائے کہ کیا بات ہے مگر چونکہ موٹر کی رفتار تیز ہوتی ہے اور موٹر چلانے والا ارادہ کے باوجود اُسے یکدم نہیں روک سکتا اس لئے اُسے موٹر کے روکنے میں کچھ دیر لگی۔ تب میں نے دوبارہ اُسے کہا کہ موٹر کو جلدی کھڑا کرو چنانچہ اُس نے موٹر کو کھڑا کیا مگر وہ اندازاً دس پندرہ گز کے فاصلہ پر جا کر کھڑی ہوئی اور جس جگہ وہ ٹھہری وہاں میاں فیروزالدین صاحب پٹواری کا مکان ہے۔ وہ باہر رہتے ہیں مگر ان کا گھر یہیں ہے لیکن وقوعہ اس مکان سے دس یا پندرہ یا بیس گز پرے کا ہونا چاہیئے یا اس سے کم وبیش فاصلہ۔ کیونکہ چلتی ہوئی موٹر کے فاصلہ کا اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن بہرحال یہ فاصلہ پانچ دس گز سے پندرہ بیس گز تک ہوسکتا ہے۔ موٹر کے ٹھہر جانے پر میں نے اُس کے پائیدان پر کھڑے ہوکر چھت کو دیکھا تو مجھے معلوم ہؤا کہ جو چیز گری تھی اُس کا اُس حصۂ چھت پر کوئی نشان نہ تھا جس کے متعلق مجھے خیال تھا کہ اس پر کوئی چیز پھینکی گئی ہے۔ البتہ اس کے اگلے حصہ پر جو بالکل قریب کے زمانہ میں مرمت کرایا گیا تھا تین چار یا پانچ میں صحیح نہیں کہہ سکتا مگر متعدد جگہ سے کپڑا پھٹا ہؤا تھا مگر ڈرائیور نے مجھے بتایا کہ عزیزم ناصر احمد دو تین ہفتہ پہلے جب اپنی پھوپھی سے ملنے کیلئے ڈلہوزی گئے تھے تو وہاں سے واپسی پر پہاڑ سے کچھ پتھر گرے تھے یہ کپڑا اُن پتھروں سے پھٹا تھا اور یہ نشان انہی پتھروں کے ہیں۔ پس یہ نشانات پھینکی ہوئی چیز کی طرف منسوب نہیں کئے جاسکتے تھے۔ بعد میں مَیں نے بعض دوستوں سے کہا تھا کہ وہ دیکھ لیں کہ آیا یہ

سارے نشانات ہی پُرانے ہیں یا ان میں سے کوئی نیا نشان بھی ہے۔ انہوں نے خود تو مجھے اپنی تحقیق کی اطلاع نہیں دی لیکن میں نے سنا ہے دیکھنے پر وہ سب نشانات پُرانے ہی معلوم ہوئے ہیں۔ بہرحال وہ نشان اس وقت کے خیال کے مطابق زیرِ بحث نہیں آسکتے۔ اس امر کا اندازہ کہ جو چیز پھینکی گئی تھی وہ کس زور سے گِری تھی اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب میں نے موٹر کے روکنے کیلئے کہا کہ دیکھیں کیا چیز موٹر پر پھینکی گئی ہے تو اُس وقت ہمراہیوں میں سے ایک نے کہا کہ ٹائر برسٹ ہؤا ہے۔ جن لوگوں نے ٹائر برسٹ ہوتے سنا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس کی اچھی بلند آواز ہوتی ہے۔ خیر موٹر کے کھڑا ہونے پر بعض دوست اُتر کر اس گھر کے اندر گھس گئے جس کے آگے کار ٹھہری تھی اور اُس کی چھت پر چڑھ کر حملہ آور کو دیکھنے لگے حالانکہ چھت پر چڑھتے چڑھتے حملہ آور دور تک نکل جاسکتا ہے۔ پہلے مجھے شبہ ہؤا کہ ان دوستوں نے یہ خیال کیا ہے کہ اسی گھر سے چیز پڑی ہے اور اس پر میں نے دوسرے دوستوں سے کہا کہ یہ ان کی غلطی ہے موٹر تو آگے آچکی ہے لیکن بعد میں مجھے معلوم ہؤا کہ وہ اس کی چھت پر چڑھ کر یہ دیکھنے گئے تھے کہ شاید اس چیز کا پھینکنے والا نظر آجائے۔ اس کے بعد چاروں طرف تلاش کی گئی مگر چیز پھینکنے والے کا کوئی پتہ نہ لگا۔ یہ چیز ایک تو بائیں طرف کی گلی سے پھینکی جاسکتی تھی یا اس سے پہلے ایک کھولہ ہے وہاں سے پھینکی جاسکتی تھی اور ایک مکان ہے جو مقفّل ہے اس مقفّل مکان سے بھی چیز پھینکی جاسکتی تھی بشرطیکہ یہ سازش ہو کیونکہ جو لوگ جرائم کی حقیقت سے واقف ہیں جانتے ہیں کہ مجرموں کو گھروں میں داخل کرکے باہر سے تالا لگا دیا جاتا ہے اور اس طرح جُرم کا سراغ لگنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ تحقیق کرنے والے جب وہاں سے گزرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس جگہ سے تو یہ جُرم نہیں ہوسکتا کیونکہ یہاں قفل لگا ہؤا ہے۔ پھر جب وہ پتہ لگانے سے مایوس ہو جاتے ہیں تو گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد لوگ آتے اور تالا کھول کر مجرم کو نکال لے جاتے ہیں۔ تو اگر یہ فعل کسی سازش کا نتیجہ تھا تو ممکن ہے اس فعل کا ارتکاب اس مقفّل گھر سے ہی ہؤا ہو لیکن مقفّل گھر کو کھولنا قانون کے خلاف ہے اور پولیس ہی ایسا کرسکتی تھی جو وہاں موجود نہ تھی۔ تلاش کے وقت بھی میں نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ممکن ہے اس گھر سے چیز پھینکی گئی ہو۔ بہرحال جب لوگ تلاش کرچکے اور انہیں کوئی آدمی نظر نہ آیا تو کسی ہمارے دوست نے کہا کہ تلاش تو کرو وہ چیز جو گِری ہے کیا اور کہاں ہے؟ اُس وقت تک سب

لوگ اسے یقینی طور پر پتھر سمجھ رہے تھے اور مجھے بھی اُس وقت تک یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اگر پتھر ہوتا تو نشان چھت پر لگ جاتا اس لئے غالبًا یہ کوئی اور شَے ہے (گو بعض صورتوں میں نشان نہیں بھی ہوسکتا لیکن سَو میں سے ننا وے دفعہ پتھر کا نشان ہونا چاہیئے)۔اس لئے میں نے بھی اُس دوست کی تائید کی اور کہا کہ اس چیز کو تلاش کرو لیکن چونکہ مغرب کا وقت ہو چکا تھا اس لئے ایک آدھ منٹ کے بعد ہی میں نے کہہ دیا کہ اب چلو۔ ہاں ایک بات رہ گئی جو یہ ہے کہ میرے پیچھے جو سائیکلسٹ آرہے تھے اُن سے جب میں نے دریافت کیا کہ تم کو معلوم ہے کہ وہ چیز کس طرف سے آئی تھی تو انہوں نے دائیں طرف سے اس کا آنا بتایا (یعنی شمال سے آتے ہوئے جو دائیں طرف ہے یعنی مغرب کی سمت)۔ہم جو موٹر میں تھے دھماکے سے ہمارا بھی یہی اندازہ تھا کہ وہ چیز شمال مغربی سمت سے آکر گری ہے۔اس کی تصدیق سائیکلسٹوں نے بھی کی جنہوں نے یہ بیان کیا کہ انہوں نے خود اُدھر سے ایک چیز آتی ہوئی دیکھی ہے جسے وہ ایک ہاتھ کے برابر پتھر سمجھتے تھے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ چونکہ مغرب کا وقت ہوگیا تھا میں دوستوں کو ساتھ لے کر موٹر میں سوار ہوگیا اور مزید تحقیق ترک کردی گئی۔ میری غرض وہاں ٹھہرنے کی صرف اتنی تھی کہ اگر کوئی شخص ایسا پایا جائے تو ہمیں علم ہوجائے کہ وہ کون شخص ہے اور دوسرے میں اسے نصیحت بھی کروں کہ ایسی فضول باتوں سے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا۔اس قِسم کے واقعات درحقیقت انبیاء کی جماعتوں سے ہونے لازمی ہیں اور ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لاہور میں ایک دفعہ ایک گلی میں سے جارہے تھے شیخ رحمت اللہ صاحب، مرزا ایوب بیگ صاحب اور غالبًا مفتی محمد صادق صاحب بھی ساتھ تھے کہ کسی نے زور سے پیچھے سے آپ پر دوہتڑ مارا اور آپ گر گئے۔ جو دوست ساتھ تھے وہ اس شخص کو مارنے لگے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا نہیں نہیں یہ معذور ہے اس نے اپنے خیال میں تو نیکی کا کام ہی کیا ہے اسے کچھ نہ کہو جانے دو۔تو یقیناً اگر وہ شخص مجھے مل جاتا تو میں ایسا ہی نمونہ دکھاتا۔میں نے سنا ہے کہ بعض دوستوں نے کہا کہ اگر وہ مل جاتا تو کیا ہم اسے زندہ چھوڑتے ؟ مگر میں جانتا ہوں کہ میری موجودگی میں انہیں چھوڑنا ہی پڑتا۔میری غرض صرف اتنی تھی کہ کسی کے پتہ لگ جانے سے ایک تو معاملہ کی اصل حقیقت واضح ہوجاتی دوسرے اس کیلئے شرمندگی اور ندامت

بھی ہوتی کیونکہ جب ایک شخص اپنی کسی حرکت سے اشتعال دلائے مگر دوسرا اشتعال میں نہ آئے بلکہ نرمی کا معاملہ اُس سے کرے تو یہ اس کیلئے شرمندگی کا موجب ہوتا ہے۔ چونکہ اس چیز کا نشان نہیں پڑا اِس لئے بعد میں مَیں نے اِس پر غور کیا اور پولیس کے بعض افسروں سے بھی میری گفتگو ہوئی جس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ غالباً چمڑے کی کوئی چیز تھی جیسے جوتی وغیرہ یا صاف شُدہ لکڑی تھی۔ اِس قِسم کی چیز سے آواز بھی زور سے پیدا ہوتی ہے، دھما کہ بھی ہوتا ہے لیکن نشان کا پڑنا ضروری نہیں ہوتا اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس حرکت کے مرتکب کی غرض یہ تھی کہ جماعت میں اشتعال پیدا ہو جائے۔ ایسا یقین کرنے کی یہ وجہ بھی ہے کہ مجھے کئی مہینوں سے رپورٹیں آ رہی تھیں بلکہ بعض لوگوں کے نام بھی میرے پاس پہنچ چکے تھے کہ فلاں فلاں شخص اس قِسم کی کارروائیاں کرنا چاہتے ہیں اور بعض کے متعلق میرے پاس ایسی رپورٹیں بھی پہنچیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم قادیان سے جائیں گے مگر جانے سے پہلے کوئی تماشہ کر کے جائیں گے۔ غرض دو تین مہینہ سے اس قِسم کی رپورٹیں میرے پاس آ رہی تھیں۔ پس میری رائے میں وہ کوئی سنجیدگی سے جان کو نقصان پہنچانے کیلئے حملہ نہ تھا بلکہ محض شورش پیدا کرنے کیلئے ایک حرکت تھی تا جماعت میں اشتعال پیدا ہو جائے اور احمدی غیر احمدیوں پر حملہ کر دیں مگر یہ ان کی بیوقوفی تھی کہ انہوں نے اشتعال کیلئے میری ذات کو چُنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری موجودگی میں جماعت کو اشتعال نہیں آ سکتا۔ ہاں میری عدم موجودگی میں اشتعال کا امکان ہو سکتا ہے لیکن میری موجودگی میں اشتعال کا امکان ہرگز نہیں۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ ۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ میں اس لئے کہتا ہوں کہ بعض جگہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہی اشتعال کا ہوتا ہے اس لئے وہاں اشتعال آنا کوئی عیب کی بات نہیں ہوتی لیکن ان استثنائی صورتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے باقی صورتوں میں جماعت کو اشتعال میری موجودگی میں نہیں آ سکتا۔

اُسی دن کا جس دن یہ وقوعہ ہوا یہ بھی واقعہ ہے جس کی مجھے رپورٹ پہنچی کہ وہی حنیفا جس نے میاں شریف احمد صاحب پر لاٹھی کا وار کیا تھا اس سے ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ایک شخص نے معانقہ کیا اور میاں شریف احمد صاحب پر حملہ کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے نہایت اعلیٰ کام کیا سب مسلمان آپ کو غازی سمجھتے ہیں۔ اس واقعہ کو اگر موٹر کے وقوعہ سے ملایا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ بعض لوگ اِسی حرکت کیلئے دوسروں کو تیار کرنے کی کوشش کر رہے

تھے کیونکہ جب ایسے کاموں کی تعریف کی جائے اور کہا جائے کہ آپ تو اس کام کی وجہ سے غازی بن گئے ہیں تو کئی نوجوانوں کو خیال آجاتا ہے کہ ہم بھی غازی بننے کی کوشش کریں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ پہلا غازی تو چھپتا پھرتا تھا اور پھر پولیس اس کی نگرانی کرتی رہی اور اب بھی اس وقوعہ کے بعد پولیس اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے کیونکہ پولیس کو اگر حفاظت کی ضرورت نظر آتی تو صرف اسی غازی کی۔ اس سے گورنمنٹ کو کچھ ایسی محبت ہے کہ وہ عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے اور یہاں کی پولیس کا تو اس سے لیلیٰ مجنوں والا تعلق ہے جب بھی کوئی واقعہ ہو دَوڑ کر وہ اُس کے گِرد جمع ہو جاتی ہے کہ ہمارے اس محبوب کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ حالانکہ عقلمند احمدی کی تو جُوتی بھی اُس پر پڑنے سے شرمائے گی ایسے ذلیل آدمی کا مقابلہ کر کے کسی نے کیا لینا ہے۔ آخر یہ بھی تو انسان کو دیکھنا پڑتا ہے کہ میرے مقابلہ میں ہے کون؟

گزشتہ سالوں میں جب مباہلہ والوں نے مجھ پر الزام لگائے تو کئی دوست گھبرا کر مجھے کہتے آپ ان سے مباہلہ کیوں نہیں کر لیتے تا دشمنوں کا منہ بند ہو جائے تو میں انہیں یہی جواب دیتا ہوں کہ میں مباہلہ کس سے کروں کیا یہ الزام لگانے والا شخص دینی یا اخلاقی لحاظ سے کوئی بھی حیثیت رکھتا ہے؟

پھر بعض دوست جب الزامات کی اشاعت کو دیکھ کر زیادہ متأثر ہوتے تو میں انہیں سمجھانے کیلئے کہتا کہ اگر کوئی شخص کسی چوڑھی یا کنچنی کو آٹھ آنے دے کر بازار میں کھڑا کر دے اور وہ آپ پر الزام لگا دے اور کہے کہ اگر یہ الزام غلط ہے تو مجھ سے مسجد میں مباہلہ کر لو تو کیا اس چوڑھی یا کنچنی کے مقابلہ میں آپ مباہلہ کیلئے تیار ہو جائیں گے؟ اس پر بات اُن کی سمجھ میں آجاتی اور کہتے ہیں کہ ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ تو مقابلہ کیلئے بھی انسان اپنے مدمقابل کی حالت کو دیکھتا ہے میں تو نہیں سمجھتا ہماری جماعت کا کوئی عقلمند اس شخص سے مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو خصوصاً اِس حالت میں کہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ایسے آدمی خود کام نہیں کرتے بلکہ کچھ اور کرانے والے ان سے کام کراتے ہیں۔ پس اگر کوئی احمدی قانون کو توڑنے پر آئے گا تو وہ اس پر حملہ کر کے کیوں قانون توڑے گا وہ اس پر توڑے گا جس نے انگیخت کی اور اُسے اُکسایا۔ اوّل تو ہماری تعلیم کے مطابق وہ صبر کرے گا لیکن اگر کوئی دیوانگی کا شکار ہو جائے تو جیسے غالب نے کہا ہے

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

اگر قانون شکنی ہی کرنی ہے اور مار پیٹ کا ہی کسی کو خیال پیدا ہونا ہے تو پھر وہ ایسا ہی آدمی تلاش کرے گا جو مُغوی اور مُفسد اور متفنّی ہو یہ بیچارے پانچ پانچ اور دو دو روپے لے کر کام کرنے والے حیثیت ہی کیا رکھتے ہیں ان غریبوں کو تو ہلا شیرا کہہ کر دوسرے لوگ آگے کر دیتے ہیں۔ پس ان کا مقابلہ کوئی عقلمند نہیں کرسکتا اور اگر کوئی احمدی اس قسم کی حرکت کرے تو نہ صرف میں اسے قانون شکن کہوں گا، نہ صرف اُسے اپنا عاصی اور نافرمان کہوں گا بلکہ بیوقوف اور احمق بھی کہوں گا۔ جو شخص گوہ پر اینٹ مارے گا میں اسے بیوقوف نہ کہوں گا تو اور کیا کہوں گا۔ نجاست پر اینٹ مارنے والے پر تو نجاست ہی پڑے گی۔ پس پولیس افسران کے یہ وسوسے تو صرف ان کی روشنیٔ طبع کی علامت ہیں اور کچھ نہیں۔

مقامی پولیس کی حالت تو یہ ہے کہ اسے متواتر خبریں ملیں کہ اس گلی میں فساد کے اندیشے ہیں مگر اس کے پاس پہرے کیلئے کافی پولیس نہ تھی لیکن حنیفا کی جان کی حفاظت کیلئے اس کے پاس ہمیشہ کافی پولیس ہوتی ہے۔ صوبہ کے ایک بہت بڑے افسر نے مجھ سے خود کہا کہ وہ پولیس حنیفا کی حفاظت کیلئے نہیں ہوتی بلکہ اس لئے ہوتی ہے تا وہ پھر کسی احمدی پر حملہ نہ کردے۔ میں نے کہا آپ کی پولیس معلوم ہوتا ہے بات خوب بنا سکتی ہے مگر ہم اپنی دیکھی ہوئی بات کا کیونکر انکار کریں کہ پولیس کو باوجود علم ہونے کے وہ خطرہ کی جگہ کے متعلق تو کوئی انتظام نہیں کرتی لیکن حنیفا کے آگے پیچھے پھرنے لگتی ہے۔ غرض ایسے واقعات اس دن اور اس کے قریب رونما ہوئے کہ یہ یقین کرنے کی کافی وجہ ہے کہ وہ وقوعہ ہتک کے طور پر جماعت کو اشتعال دلانے کیلئے کیا گیا گو وہ ایسا نہ تھا جس سے جان کا خطرہ ہو یا جو جان پر حملہ کہا جاسکتا ہو۔

پس جن دوستوں نے اس وقوعہ کا ذکر ''پتھر پڑا'' سے ''پتھریں پڑیں'' کے الفاظ میں کیا میں انہیں نصیحت کرتا ہوں کہ مؤمن مبالغہ سے کام نہیں لیتا بلکہ وہ سچائی کا دِلدادہ ہوتا ہے۔ پتھروں کا کوئی سوال نہیں جو چیز پھینکی گئی وہ ایک تھی پس جو کہتا ہے کہ پتھر پھینکے گئے وہ مبالغہ سے کام لیتا ہے اور اسے اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔ میرا غالب گمان یہ ہے کہ وہ پتھر نہیں تھا کیونکہ موٹر پر کوئی نشان

نہیں اور پتھر کی صورت میں سَو میں سے ننانوے امکانات یہی ہیں کہ نشان ہوتا۔ ہاں سُوکھی مٹی کا ڈلا ہوسکتا ہے یہ بغیر نشان لگنے کے دھماکہ بھی دے سکتا ہےاور آواز بھی اس سے پیدا ہوسکتی ہے اس کا مجھے پہلے خیال نہیں آیا اب خطبہ کے وقت خیال آیا ہے پس اگر اس کو بھی شامل کرلیا جائے تو میرے نزدیک چمڑے کی کوئی چیز یا لکڑی کی رندہ کی ہوئی چیز یا سُوکھی مٹی کا ڈلا تھا ایسی چیزیں جب پھینکی جائیں تو آواز بھی دے سکتی ہیں اور بہت ممکن ہوتا ہے کہ ان کا نشان بھی نہ رہے۔ سُوکھی مٹی کے ڈلے میں تو یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی تلاش بھی نہ ہوسکے کیونکہ مٹی کا ڈلا لگ کر ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس چیز کی تلاش حقیقی طور پر ہوئی نہیں ایک آدھ منٹ سے زیادہ تلاش نہیں کی گئی۔ میں جلد ہی موٹر میں بیٹھ گیا اور دوستوں کو بُلالیا نیز جو دوست ساتھ تھے وہ گلی کے قریب کے مقامات اور اُس کے ننگے حصہ کو ہی دیکھتے رہے دُور دُور انہوں نے نہیں دیکھا اور جو چھتی ہوئی نالیاں تھیں ان کو بھی انہوں نے نہیں دیکھا اور اِس وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اگر پوری طرح ہم تلاش کرتے تو وہ چیز نہ ملتی۔

اِس موقع پر جماعت نے جو رویہ اختیار کیا ہے میں اسے پسند کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے گورنمنٹ سے کوئی اپیل نہیں کی۔ میرے نزدیک گورنمنٹ کا اور ہمارا معاملہ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اب اس کے بعد پنجاب کی گورنمنٹ کو توجہ دلانا فضول بات ہے کیونکہ پنجاب کی گورنمنٹ بیعت کرچکی ہے ضلع گورداسپور کی پولیس کی۔ وہ اگر سورج کو کہے کہ اندھیرا ہے تو پنجاب گورنمنٹ کہتی ہے اندھیرا ہےاور اگر وہ رات کو کہے کہ سورج نکلا ہؤا ہے تو حکومتِ پنجاب بھی کہہ دیتی ہے کہ ہاں سورج نکلا ہؤا ہے۔ چونکہ وہ ہماری ہر رپورٹ کے مقابلہ میں پولیس کی رپورٹ کو زیادہ وقعت دیتی ہے اس لئے ایسی صورت میں اس کے پاس شکایت کرنا بے فائدہ امر ہے۔ یہاں کی پولیس والے جو باتیں کرتے رہتے ہیں وہ بھی مجھے پہنچتی رہتی ہیں ان میں سے وہ بھی ہیں جو اِس خیال سے متفق ہیں جس کا مَیں نے اظہار کیا اور وہ سمجھتے ہیں کہ کسی شریر نے جماعت کو اشتعال دلانے کیلئے یہ فعل کیا ہے۔ بعض یہ باتیں بھی کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بچے سے کوئی چیز گرگئی ہوگی حالانکہ جو دھماکہ تھا اُس کو وہی جان سکتے ہیں جو وہاں موجود تھے۔ پنجابی میں مثل ہے

گھروں میں آواں تے سنیہے تُوں دیویں

اگر پولیس کے سپرنٹنڈنٹ یا ڈپٹی کمشنر یا کمشنر یا گورنر کی موٹر پر ایسا ہی دھما کہ ہوا اور وہ کہیں کہ یہ اتفاقی امر ہے کسی بچہ سے کوئی چیز گر پڑی ہوگی تو میں ان کی بات کو ماننے کیلئے تیار ہوں لیکن وہاں وہ یہ نہیں کہتے بلکہ وہاں ان کا رویہ بالکل مختلف ہؤا کرتا ہے۔ ان کا قول ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ ہم راجہ کے نوکر ہیں بینگن کے نوکر نہیں۔ بعض پولیس کے آدمیوں میں سے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ ساری بات ہی بنائی ہوئی ہے واقعہ کوئی ہؤا ہی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق بولتا ہے جو شخص جھوٹ کا عادی ہو اور جس کا اوڑھنا اور بچھونا جھوٹ ہو وہ کسی بات کو سوائے جھوٹ کے اور کیا سمجھ سکتا ہے۔ اس قسم کے افسر سوائے اس کے کہ پبلک کو حکومت سے بدظن کریں اور اس کے خلاف منافرت کے جذبات پھیلائیں کسی صورت میں گورنمنٹ کی خدمت نہیں کر سکتے۔ غرض دونوں طرف خیالات کی رَو کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ ایک ہمارے دوست تو اِس واقعہ کو سن کر ایسے متأثر ہوئے کہ کہنے لگے ایسی بات تو نہیں کہ کوئی پٹاخہ وغیرہ پھینکا گیا ہو میں نے انہیں بتایا کہ پٹاخے کی آواز اور اس آواز میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مجھے یہ ڈر پیدا ہؤا کہ آہستہ آہستہ بعض دوست محبت کے جوش میں کہیں اس چیز کو بم ہی نہ سمجھنے لگیں۔ اِس موقع پر بعض جلسے قادیان میں ہوئے ہیں اور بعض دوستوں نے تقریریں کرتے ہوئے کہا کہ ہم یوں کریں گے اور وُوں کر دیں گے اس پر بعض دوستوں نے اعتراض کیا ہے کہ ایسا کہنے کا کیا فائدہ کہ ہم یوں کر دیں گے وُوں کر دیں گے۔ جب کرنے کا وقت آئے اُس وقت جو کچھ کرنا ہو کر دکھائیں بے فائدہ دعوؤں سے کیا فائدہ اور میں اس بات میں ان سے بالکل متفق ہوں۔ میں نے بارہا جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ بیہودہ دعوے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جماعت کا اظہارِ اخلاص ایک طبعی بات ہے اور وہ جس محبت کا نتیجہ ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا وہ ایک قابل قدر چیز اور ایمان کو بڑھانے والی بات ہے لیکن ایسی باتیں کرنا جن کے متعلق انسان کے ذہن میں کچھ بھی نہ ہو کہ کیا کر دیں گے ایک بے فائدہ چیز ہے۔ پس جس حد تک کہ دوستوں نے اپنے اخلاص کا اظہار کیا یا ریزولیوشن کے ذریعہ اپنے آپ کو خدمت کیلئے پیش کیا ہے وہ بالکل جائز اور درست بلکہ موجبِ ثواب تھا لیکن اس سے زائد اگر کسی نے دھمکیاں دی ہوں تو ان سے کسی کو بھی فائدہ نہیں ہوسکتا بلکہ دھمکیاں بھاپ کی طرح انسان کے جوش کو نکال دیتی ہیں۔

میرے نزدیک صحیح طریق جذبات کے اظہار کا یہ ہے کہ دوستوں کو قربانی کی تحریک کی جائے ایسی باتوں سے کیا فائدہ کہ ہم دکھا دیں گے، ہم بتا دیں گے، ہم دنیا کو ہِلا دیں گے یہ ایک بے فائدہ اور لغو بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایسے مقرر سے اگر اُسی وقت کوئی پوچھ بیٹھے کہ آپ کیا دکھا دیں گے؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ ابھی سوچا نہیں ہم آئندہ سوچیں گے اور جب سوچ کر ابھی کوئی فیصلہ کرنا ہے تو پہلے ہی سے دعوے کرنے سے کیا فائدہ؟ میرے نزدیک اِس زمانہ میں صحیح طریق جذبات کے اظہار کا یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر جماعت کے دوستوں کو تحریک جدید کی طرف توجہ دلائی جائے دشمنوں کے سارے حملوں کا علاج تحریک جدید میں موجود ہے۔ پس انہیں بتایا جائے کہ جس قدر کرنے والی باتیں ہیں وہ تمہارے امام نے تمہیں بتا دی ہیں کیا تم نے ان باتوں پر عمل کر لیا؟ اگر کیا ہے تو اَور کرو۔ اگر نہیں کیا تو ان پر جلدی عمل کرو کہ انہیں باتوں میں ان تمام فِتن کا علاج ہے۔ پس تحریک جدید کے مختلف پہلو جو قربانیوں کے ہیں انہیں لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور انہیں توجہ دلائی جائے کہ جنہوں نے ابھی تک اس تحریک پر عمل نہیں کیا وہ عمل کریں۔ یہ ایک صحیح ذریعہ قربانی پیش کرنے کا ہوگا مگر اس قربانی کا دعویٰ کرنا جس قربانی کا مطالبہ ہی نہ ہو یا جس قربانی کی نوعیت پر خود بھی غور نہ کیا ہو انسان کو نکمّا بنا دیتا ہے اور اُس کے دل پر زنگ لگا دیتا ہے۔ ایک شخص جو جانتا ہی نہیں کہ کیا کریں گے وہ اگر کہتا ہے کہ ہم مر جائیں گے، ہم مٹ جائیں گے، ہم مٹا دیں گے، ہم ہِلا دیں گے، ہم دکھا دیں گے، ہم بتا دیں گے تو وہ بیہودہ اور لغو دعوے کرتا ہے اور نہ خود جانتا ہے کہ کس طرح ہِلا دیں گے اور نہ وہ جانتے ہیں جو اُس کی تقریر سن رہے ہوتے ہیں کہ کس طرح ہِلا دیں گے، صرف اپنے ہی دل میں وہ دونوں ہِل رہے ہوتے ہیں۔ تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ تمہارے سامنے جو پروگرام رکھا گیا ہے اور جو تمہارے امام نے تمہارے سامنے پیش کیا ہے اُس پر عمل کرو اور لوگوں کو بتاؤ کہ یہ حملے اِس لئے ہو رہے ہیں کہ تم سکیم کے فلاں فلاں حصے پر عمل نہیں کرتے۔ پھر اُس حصہ کے متعلق دلائل دو، اُس کی تفصیلات کو بیان کرو۔ اُس کے نتائج اس کی خوبیاں اور اُس کے اثرات واضح کرو اور لوگوں کو توجہ دلاؤ کہ جب وہ قربانیوں کیلئے تیار ہیں تو کیوں تحریک جدید کے ماتحت قربانیاں نہیں کرتے۔ یہ وہ قربانی کی تحریک ہے جو جائز اور مفید ہے۔ پس ایک مفصّل سکیم تمہارے سامنے موجود ہے اس سے فائدہ اُٹھاؤ خالی

جذبات کے اظہار کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ پس یہاں کا جلسہ ریزولیوشن اور اظہارِ اخلاص کی حد تک جائز، مفید اور موجب ثواب تھا لیکن اِس سے زائد اگر کوئی خالی دعوے کئے گئے ہیں تو وہ بے فائدہ تھے۔ قربانی کیلئے تمہارے سامنے ایک سکیم موجود ہے اُس پر عمل کرو اور لوگوں کو بھی توجہ دلاؤ کہ وہ اس کے مطابق اپنی زندگیاں بنائیں اِس کا دینی فائدہ بھی ہوگا، دُنیوی فائدہ بھی ہوگا اور پھر ثواب الگ رہا جو تحریک کرنے والوں کو ملے گا۔

دوسری بات جس کا ذکر میں آج کرنا چاہتا ہوں وہ قادیان میں احرار کے جلسہ کرنے کی کوشش کے متعلق ہے۔ ہمیشہ تھوڑے عرصہ کے بعد قادیان میں احرار جلسہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہماری جماعت میں بھی جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر جوش کا پیدا ہونا ایک طبعی امر بھی ہے کیونکہ **قادیان ہمارا مقدس مقام ہے اور ہم یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ لوگ یہاں آئیں اور ان کا مقصد صرف یہ ہو کہ وہ ہمارے بزرگوں کو گالیاں دیں۔** گورنمنٹ کے بعض افسر کہا کرتے تھے کہ ہم کسی کو قادیان آنے سے کیونکر روک سکتے ہیں اور میرا جواب ہمیشہ یہ ہؤا کرتا ہے کہ قادیان آنے سے کون روکتا ہے یا کون کہتا ہے کہ کسی کو قادیان آنے سے روکیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ قادیان آ کر گورنمنٹ انہیں شرارت کرنے سے روکے۔ کیا کوئی گورنمنٹ کا افسر یہ جرأت رکھتا ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ ہم کیونکر کسی کو قادیان میں آ کر شرارت کرنے سے روک سکتے ہیں؟ حکومت کا کوئی بڑا یا چھوٹا افسر یہ فقرہ دُہرانے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ ہم کسی کو قادیان آ کر شرارت کرنے سے کیونکر روک سکتے ہیں بلکہ میں کہتا ہوں یہ بھی نہیں میں اِس حد سے بھی نیچے اُترتا ہوں اور کہتا ہوں کہ لوگوں کو قادیان آ کر ہمارے دل دُکھانے سے روکیں۔ حکومت کا کوئی افسر یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ہم کیونکر لوگوں کو قادیان میں آ کر آپ کا دل دُکھانے سے روک سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کے اپنے اعمال موجود ہیں جن میں اس سے بہت کم دل دُکھانے والے افعال کو اس نے روکا۔ مسلمان گائے ذبح کرتے ہیں چیز ان کی اپنی ہوتی ہے، روپیہ انہوں نے خرچ کیا ہوتا ہے، زمین ان کی اپنی ہوتی ہے لیکن گورنمنٹ آ کُودتی ہے اور کہتی ہے کہ ہندو کا دل دُکھتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کیا ہندو کا دل ہوتا ہے؟ ایک مسلمان اور پھر احمدی کا دل نہیں ہوتا؟ تم گائے کے ذبح کرنے پر تو پابندی عائد کر دیتے ہو کہ فلاں جگہ کرنی چاہئے اور فلاں جگہ نہیں، تم یہ

پابندی عائد کر سکتے ہو کہ جس گاؤں میں ہندو زیادہ ہوں اُس میں مسلمانوں کو گائے ذبح کرنے کی اجازت نہیں، تم یہ تو پابندی عائد کر سکتے ہو کہ جس گاؤں کے ہندو مالک ہوں اُس گاؤں میں مسلمان گائے ذبح نہیں کر سکتے، تم یہ تو پابندی عائد کر سکتے ہو کہ جن گاؤں کو ہندوؤں نے آباد کیا ہو ان میں مسلمان گائے ذبح نہیں کر سکتے، ہاں جن گاؤں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہو یا مسلمان ان میں کثرت سے رہتے ہوں یا مسلمان اب گاؤں کے مالک ہوں وہاں کے مسلمانوں کو گائے ذبح کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ یہ سمجھوتہ ہندو اور مسلمان منسٹروں نے مل کر سر میلکم ہیلی یا سر میکلیگن کے زمانہ میں کیا تھا (میرا غالب خیال یہ ہے کہ سر میلکم ہیلی کے زمانہ میں ہی یہ تجویز منظور کی گئی تھی) بہرحال ان دونوں گورنروں میں سے کسی ایک کے زمانہ میں یہ اصول تجویز کیا گیا تھا لیکن جب یہ اصول طے ہو چکا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہی اصول یہاں کیوں نہیں برتتے۔ قادیان میں احمدیوں کی آبادی زیادہ ہے، قادیان میں احمدیوں کی اکثریت ہے اور قادیان احمدیوں کا مقدس مقام ہے پس ہرگز کسی کو اجازت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ یہاں آکر احمدیوں کا دل دُکھائے خصوصاً گالیاں دے کر اور بدزبانی کر کے۔ پھر گائے ذبح کرتے ہوئے کسی کو کوئی گالی نہیں دیتا مگر آپ ہی آپ دل دُکھنے لگ جاتے ہیں اور گورنمنٹ کا دل بھی اس دُکھ کے خیال سے دھڑکنے لگ جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ گورنمنٹ کا دل عدل اور انصاف کے جذبات سے پُر ہونا چاہئے اور اسے ہمارے دلوں کے دُکھنے پر بھی دھڑکنا چاہئے۔ اس کا دل ہندوؤں کا دل دُکھنے پر دھڑکتا ہے، اس کا دل سکھوں کا دل دُکھنے پر دھڑکتا ہے، اس کا دل عیسائیوں کے دل دُکھنے پر دھڑکتا ہے پھر کیوں احمدیوں کیلئے اس کا دل نہ دُکھے۔

ایک تازہ مثال لکھنؤ کی ہی لے لو وہاں گورنمنٹ نے حکم دیا ہؤا ہے کہ صحابہؓ کی تعریف بازاروں میں نہ کی جائے اور نہ ان کی مدح میں جلسے کئے جائیں کیونکہ اس سے شیعوں کا دُل دکھتا ہے۔ احراری وہاں مدح صحابہؓ کے نام پر آجکل ایجی ٹیشن کر رہے ہیں اور حکومت اُن کو گرفتار کر رہی ہے کہ اس فعل سے شیعوں کا دل دُکھتا ہے۔ اب کیا یہ لطیفہ نہیں کہ حکومت برطانیہ کے ماتحت ایک جگہ تو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اپنے بزرگوں کی تعریف نہ کرو کیونکہ اس سے شیعوں کا دل دُکھتا ہے اور دوسری جگہ اور پھر ایسی جگہ جو ایک جماعت کا مقدس مقام ہے بعض لوگوں کو کھلا چھوڑ دیا جاتا

ہے کہ وہ دوسروں کے بزرگوں کو گالیاں دیں کیا اِس لئے کہ حکومت کے نزدیک احمدیوں کا دل نہیں دُکھ سکتا ؟

میں نے سنا ہے کہ حکومت نے مولوی عطاء اللہ کو قادیان آنے سے روک دیا ہے اگر یہ درست ہے تو اُس نے اچھا کیا کہ ان کو یہاں آنے سے روک دیا لیکن سوال صرف مولوی عطاء اللہ صاحب کی گالیوں کا نہیں بلکہ صرف بزرگانِ جماعت احمدیہ کو گالیاں دینے کا ہے۔ یہاں ہر جمعہ کو جماعت احمدیہ کے بزرگوں کو گالیاں دی جاتی ہیں اور اگر کبھی کوئی پولیس کا سچا رپورٹر وہاں جاتا ہوگا تو گورنمنٹ کے پاس اس کی ڈائریاں بھی پہنچتی ہوں گی لیکن گورنمنٹ کو کبھی خیال نہیں آیا کہ اس دل آزار طریق کو بند کرے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ لکھنؤ میں مدح صحابہؓ اس لئے جُرم قرار دی جاتی ہے کہ اس سے شیعوں کی دلآزاری ہوتی ہے لیکن احمدیہ جماعت کے مرکز، اس کے مقدس مقام قادیان میں سبِّ بزرگانِ احمدیت کو بھی جُرم نہیں سمجھا جاتا۔ آخر یہ قانون کس عقل کے ماتحت بن رہے ہیں؟ اگر یہاں احرار کی بدزبانی کو روکنا ناجائز ہے تو لکھنؤ میں سُنّیوں کو مدح صحابہؓ سے روکنا اس سے بھی زیادہ ناجائز ہے اور اگر وہاں سنّیوں کو مدح صحابہ سے روکنا جائز ہوسکتا ہے تو قادیان میں احمدیوں کے بزرگوں کے خلاف گالیوں کو روکنا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ وہاں صحابہ کی تعریف کا سوال ہے جس سے دل دُکھنا خلافِ عقل ہے اور یہاں جماعت احمدیہ کے بزرگوں کی توہین کا سوال ہے جس سے دل دُکھنا ایک طبعی امر ہے۔ پس حکومت کو چاہئے کہ اپنے افعال کے اس تضاد کو دُور کرے۔ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حکم لکھنؤ کا ہے جو یو۔ پی میں ہے اور قادیان پنجاب میں ہے۔ بیشک یہ درست ہے لیکن قانون کا اصل تو ایک ہی ہونا چاہئے آخر یو۔ پی کے افسر بھی تو انگریز ہی ہیں۔

غرض اگر گورنمنٹ نے مولوی عطاء اللہ صاحب کو روکا ہے تو اس کا یہ فعل مستحسن ہے لیکن یہ فعل اسے کُلّی طور پر الزام سے بری نہیں کرتا کیونکہ گالی مولوی عطاء اللہ صاحب کے منہ سے نکل کر زیادہ بُری نہیں ہوجاتی اور کسی دوسرے احراری کے منہ سے نکل کر گالی اچھی نہیں ہوجاتی بلکہ گالی بہرحال بُری چیز ہے اور یہ تو ابتدائی اخلاق کا تقاضا ہے کہ لوگوں کو گالی دینے سے روکا جائے اس معاملہ میں چھوٹے اور بڑے میں فرق نہیں کیا جاسکتا۔

مثل مشہور ہے کہ کوئی بیوقوف نواب تھا اس نے ایک دفعہ مجلس میں بے حجابانہ بلند آواز میں ہوا خارج کر دی۔ اُس کے اِرد گرد جو خوشامدی بیٹھے تھے کہنے لگے سُبْحَانَ اللّٰہِ کیا سنتِ رسول پر عمل کیا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا یہی حکم ہے کہ ہوا خارج ہونے لگے تو اسے نہ روکو۔ ایک اور بھلا مانس بھی اس مجلس میں بیٹھا تھا اسے یہ بات بہت بُری معلوم ہوئی کہ رسول کریم ﷺ کا نام اس طرح نامناسب طور پر استعمال کیا گیا ہے اُس نے چاہا کہ اُن کو شرمندہ کرے لیکن چونکہ وہ اسی مجلس میں بیٹھنے والا تھا اُس کے اخلاق بھی زیادہ اچھے نہ تھے اس لئے اس نے بجائے شریفانہ رنگ میں سمجھانے کے دوسرے دن آپ وہی حرکت کر دی۔ اس پر سب اُسے کہنے لگے کیسا گدھا ہے، کیسا بیوقوف اور احمق ہے، آدابِ مجلس کا ذرا بھی خیال نہیں۔ وہ کہنے لگا جناب! میں نے تو وہی حرکت کی ہے جو کل اِس قدر قابلِ تعریف سمجھی گئی تھی۔ پس اگر گورنمنٹ الگ الگ آدمیوں سے الگ سلوک کرے گی تو لوگوں کی ملامت کا نشانہ بنے گی۔ آخر لوگوں کے دل میں سوال پیدا ہو کر رہے گا کہ جب قانون کا اصل ایک ہے تو کیا وجہ لکھنؤ والوں کیلئے وہ اور رنگ میں ظاہر ہوا اور قادیان والوں کیلئے اور رنگ میں؟ آخر لوگ سوچیں گے کہ اس کی یہی وجہ تو نہیں کہ لکھنؤ والے امیر ہیں اور قادیان کے لوگ غریب۔ اگر یہ بھی امیر ہوتے، اگر ان کی تعداد بھی زیادہ ہوتی اور اس قسم کا واقعہ ہوتا تو گورنمنٹ ان کی یہ باتیں سن کر فوراً کہتی بالکل درست لکھنؤ میں بھی ہم نے ایسا ہی کیا ہے اور یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے لیکن چونکہ امارت اور غربت کا فرق ہے یہ تھوڑے ہیں اور وہ زیادہ پھر یہ قانون کے پابند ہیں اس لئے ان کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ میں تو بعض دفعہ سوچا کرتا ہوں کہ شاید ہمارا سب سے بڑا جُرم یہی ہے کہ ہم قانون کی پابندی کا فیصلہ کر چکے ہیں اور اس وجہ سے حکومت خیال کرتی ہے کہ ان کی تکلیف کی طرف توجہ نہ کی گئی تو امن میں خلل نہ آئے گا لیکن اگر میرا یہ خیال درست ہو تو حکومت کو اپنی اصلاح کرنی چاہئے کیونکہ ایسے حالات ملک کے امن و امان کو برباد کر دیتے ہیں اور لوگوں کی محبت حکومت سے کم کر دیتے ہیں۔

میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ ایک جاپانی لیڈر نے ایک دفعہ ایک مضمون لکھا اس میں وہ بیان کرتا ہے (جس طرح ہندوستان پر یورپین قوموں نے حکومت حاصل کر لی ہے اسی طرح شروع شروع میں انہوں نے جاپان پر بھی حکومت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے

جاپان میں کارخانے کھول لئے، تجارتیں شروع کر دیں اور جاپان میں اثر پیدا کرنا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ جاپانی امریکن تاجروں سے لڑ پڑے۔ امریکہ والوں کو جب معلوم ہؤا تو انہوں نے اپنے جہاز بھیجے جاپانیوں پر گولہ باری کی اور نہایت کڑی شرائط جاپانیوں سے منوائیں۔ جاپانیوں کو اس سے ایسا ہی دُکھ پہنچا جیسا کہ پچھلے سال ہمیں پہنچا تھا انہوں نے فیصلہ کر لیا اب ہم اپنی عزت قائم کر کے رہیں گے۔ وہ خوش قسمت قوم تھی اُس کے بڑے بڑے نواب جمع ہوئے اور انہوں نے کہا جب یورپین اقوام کے نزدیک ہماری چوڑھے اور چمار جیسی بھی عزت نہیں تو ہماری نوابیاں کس کام کی ہیں۔ سب نے کہا ہم اپنی نوابیاں چھوڑتے ہیں اور سارے اختیارات ایک بادشاہ کو دیتے ہیں چنانچہ سب نے اپنی نوابیاں چھوڑ دیں اور پُرانے شاہی خاندان کے ایک آدمی کو جو عبادت گاہ میں بیٹھا تھا اپنا بادشاہ بنالیا۔ گویا پہلا تغیر انہوں نے یہ کیا۔ اس کے بعد ان میں سے نوجوان نکلے اور انہوں نے قسمیں کھائیں کہ ہم اپنے ملک میں واپس نہیں آئیں گے جب تک یورپ اور امریکہ سے وہ ہنر سیکھ کر نہ آئیں جن ہنروں کی وجہ سے وہ ہمارے ملک میں طاقت پکڑ رہے ہیں۔ چنانچہ کسی نے جہاز رانی سیکھنی شروع کر دی، کسی نے کارخانوں کا کام سیکھنا شروع کر دیا، اس طرح کوئی کسی کام میں لگ گیا اور کوئی کسی میں اور دس پندرہ سال باہر رہ کر جب وہ اپنے ملک میں آئے تو انہوں نے ہر قسم کے کارخانے جاری کر دیئے۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ جاپانی مدبر کہتا ہے) کہ ہماری قوم سو رہی تھی جب ہم جاگے تو ہم نے دیکھا ہمارے ملک میں یورپین قومیں اپنا اثر بڑھا رہی ہیں اور وہ اپنے آپ کو مہذب کہتے ہیں اور ہمیں غیر مہذب۔ تب ہم نے سوچا کہ شاید تہذیب کارخانے جاری کرنے کا نام ہے اور ہم نے اپنے ملک میں ہر قسم کے کارخانے جاری کر دیئے اور ہم نے یورپ کی طرف فخر سے دیکھا اور سمجھا کہ اب وہ کہے گا کہ جاپان بھی مہذب ملک ہے مگر ہم نے دیکھا کہ مغرب نے اپنا سر ہلا دیا اور کہا کہ جاپانی غیر مہذب ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ہم نے سمجھا شاید چونکہ یہ باہر سے ہمارے ملک میں کپڑا لاتے ہیں شاید تہذیب دوسرے ملکوں سے تجارت کرنے کا نام ہے پس ہم نے کہا کہ ہم بھی اپنی چیزیں باہر بھیجیں گے اور دنیا میں مہذب کہلائیں گے۔ چنانچہ ہم باہر نکلے اور ہم نے ہر جگہ ان کی منڈیوں کو شکست دی اور دور دور تجارت کی اور خیال کیا کہ مغرب ہماری اس ترقی کو دیکھ کر کہے گا کہ جاپان مہذب ملک ہے

مگر مغرب والوں نے پھر اپنا سر ہلا دیا اور کہا جاپانی غیر مہذب ہیں۔ اس پر ہم نے سمجھا کہ شاید چونکہ یہ اپنے جہازوں میں مال لاتے ہیں اور ہمارے اپنے جہاز نہیں اس لئے ہم ان کی نگاہ میں مہذب نہیں۔ یہ خیال آنے پر ہم نے اپنے جہاز بنائے اور اپنے جہازوں میں غیر ممالک کو اشیاء بھیجنی شروع کیں اور ہم نے خیال کیا کہ اب تو یہ ہمیں مہذب خیال کریں گے مگر مغربی لوگوں نے پھر سر ہلا دیا اور کہا کہ جاپانی غیر مہذب ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ہم اس پر پھر حیران ہوئے اور خیال کیا کہ چونکہ ہم تعلیم میں پیچھے ہیں اس لئے غیر مہذب ہوں گے اس پر ہم نے تعلیم پر زیادہ زور دینا شروع کیا اور نئی سے نئی ایجادیں کرنی شروع کر دیں مگر ہم پھر بھی مغرب کی نگاہ میں غیر مہذب رہے۔ اتنے میں مانچوریا میں جھگڑا شروع ہو گیا اور روس کے ساتھ ہماری لڑائی ہوئی تب پستہ قد جاپانیوں نے میان سے اپنی تلوار نکال لی اور دیو قد روسیوں پر ٹُوٹ پڑے اور تین لاکھ روسیوں کے خون سے انہوں نے مانچوریا کی زمین کو سُرخ کر دیا تب ہم نے دیکھا کہ سارا یورپ اور امریکہ پکار اُٹھا کہ جاپانی مہذب ہیں جاپانی مہذب ہیں۔ وہ کہتا ہے تب ہمیں معلوم ہؤا کہ یورپین اقوام کے نزدیک تہذیب طاقت کا نام ہے۔

اِس قسم کے خیال کا لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونا بہت خطرناک چیز ہؤا کرتی ہے اور حکومت کو یہ امر ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ اگر اس کے ماتحت افسر لوگوں کے دلوں میں اس قسم کا خیال پیدا کرتے ہیں تو وہ رعایا کو باغی بناتے ہیں کیونکہ اگر رعایا کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ حکومت طاقت کے آگے جھکتی ہے دلائل کے آگے نہیں جھکتی تو امن کہاں رہ سکتا ہے۔ جب لوگ یہ دیکھیں کہ حکومت طاقتور کی بات مانتی ہے تو ان میں بھی مقابلہ کا جوش پیدا ہوتا ہے اور حکومت کے مقابلہ میں طاقت کا استعمال بغاوت کی روح پھیلاتا ہے۔ پس اگر حکومت سمجھتی ہے کہ لکھنؤ والے چونکہ مالدار ہیں یا جتھے اور طاقت والے ہیں اس لئے اس نے قانون کا وہاں نفاذ کر دیا لیکن احمدی کمزور ہیں اس لئے ان کے متعلق کسی قانون کی ضرورت نہیں تو میری نصیحت اسے یہی ہے کہ وہ اپنا رویہ اس بارے میں بدل لے کیونکہ اس خیال کا پیدا ہونا حکومت کے تباہ کرنے کے مترادف ہوتا ہے اور اس کی موجودگی میں کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ پس میرے نزدیک خالی مولوی عطاء اللہ کو روکنا کافی نہیں۔ قادیان ہمارا مقدس مقام ہے اور قادیان کے متعلق گورنمنٹ کا یہ قانون ہونا

چاہئے اس جگہ سلسلہ احمدیہ اور اس کے بزرگوں کے متعلق توہین آمیز کلمات کا استعمال کسی کیلئے جائز نہیں۔ ہمیں اس بات پر ہرگز اعتراض نہیں اگر کوئی اور قوم کسی اور شہر کو اپنا مقدس مقام سمجھتی ہے تو اس شہر کے متعلق بھی اسی قسم کا قانون نافذ کر دیا جائے اگر ہندو کہیں کہ ہردوآر یا بنارس ان کا مقدس مقام ہے یا سنّی کسی شہر کو اپنا مقدس مقام قرار دے لیں یا شیعہ کسی شہر کو مقدس مقام قرار دے لیں اور اس طرح اپنے لئے ایک ایک شہر چُن کر اس کے متعلق اس قسم کا قانون بنوالیں تو ہمیں اس پر ہرگز اعتراض نہیں ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قادیان میں کسی مذہب والے کا اپنے مذہب کی تلقین کرنا ہم ناپسند کرتے ہیں۔ اگر کوئی اپنے مذہب کی تبلیغ کرنا چاہتا ہے تو بے شک وہ آئے اور تقریر کرے لیکن تہذیب وشائستگی کے ساتھ۔ ایسے مہذب لیکچراروں کیلئے میں آپ انتظام کرنے کیلئے تیار ہوں بلکہ اسی مسجد میں انہیں لیکچر کی اجازت دے سکتا ہوں لیکن غیر شریفانہ رنگ میں اگر کوئی شخص کسی حرکت کا ارتکاب کرتا ہے تو اُس کی اِس حرکت کو برداشت نہیں کیا جاسکتا ممکن ہے کہ کوئی شخص کہے کہ تمہارا تو ایک مرکز ہے جس کی وجہ سے گورنمنٹ سے اس قانون کا مطالبہ کرتے ہو لیکن ہم کیا کریں سو ایسے لوگوں سے میں کہتا ہوں تم بھی ایک مرکز بنالو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا مگر یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنے مرکز کے متعلق کسی قانون کا مطالبہ نہ کریں یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کسی لومڑ کی دُم کٹ گئی تھی تو اُس نے سب لومڑوں کو مشورہ دیا کہ ہمیں اپنی دمیں کٹوا دینی چاہئیں۔ اگر کسی قوم کا کوئی مذہبی مرکز نہیں تو ہم کیوں اپنا حق چھوڑ دیں اور اگر اسے اس سے تکلیف ہوتی ہے تو وہ اپنا بھی ایک مرکز بنالے۔ ہم خصوصیت سے خیال رکھیں گے کہ ہماری جماعت کا کوئی شخص وہاں جا کر ایسا رنگ اختیار نہ کرے جو دل آزار ہو۔ پس اگر ایسے مراکز ہر قوم تجویز کر لے تو ہمیں اس پر ہرگز اعتراض نہیں ہوگا مگر بہر حال قادیان ہمارا مقدس مذہبی مرکز ہے اور اس جگہ احمدیت یا احمدیت کے بانی یا احمدیت کے بزرگوں کے خلاف کسی قسم کی تضحیک یا تمسخر سننے کیلئے ہم تیار نہیں اور یہ مطالبہ ہمارا اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک گورنمنٹ ان لوگوں کو روکتی نہیں جو یہاں آکر گالیاں دیتے ہیں۔

مولوی عطاء اللہ سے ہمیں کوئی بُغض نہیں نہ انہوں نے ہمارا مال چُرایا ہے کہ انہیں کی بدزبانی ہمیں تکلیف دیتی ہو اور اگر مولوی عنایت اللہ یا شیخ تاج دین صاحب گالیاں دیں تو وہ

ہمیں بُری نہ لگتی ہوں۔ اگر گالیاں دینا جائز ہے تو کوئی دے سب کیلئے جائز ہے اور اگر گالیاں دینا جائز نہیں تو کسی کیلئے بھی جائز نہیں خواہ مولوی عطاء اللہ صاحب دیں یا مولوی عنایت اللہ۔ پس ہمارے لئے یہ کافی نہیں کہ مولوی عطاء اللہ صاحب کو قادیان آنے سے روک دیا جائے ہاں اگر گورنمنٹ نے ایسا کیا ہے تو اس حد تک ہم اس کی تعریف ضرور کریں گے۔ میں نے ہمیشہ کہا ہے کہ ہمیں سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کہنا چاہئے اور ہمارا طریق یہ ہونا چاہئے کہ جو سچ ہو اُسے ہم جھوٹ نہ کہیں اور جو جھوٹ ہو اُسے ہم سچ نہ کہیں اس کے مطابق ہم گورنمنٹ کے اس فعل کی اگر اس نے واقعہ میں ایسا کیا ہے تعریف کریں گے ہاں بقیہ حصہ کی مذمت کریں گے کیونکہ اس نے گالیوں کے انسداد کیلئے کوئی قدم نہیں اُٹھایا جو جماعت احمدیہ اور اس کے بزرگوں کو احرار کے دوسرے نمائندے دیتے ہیں۔

بعض دوست غلطی سے گورنمنٹ کے اچھے کام کی تعریف کرنے سے بھی ڈرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے کہہ دیا کہ گورنمنٹ نے یہ کام اچھا کیا ہے تو ہم جو گورنمنٹ پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ ہمارے حقوق کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتی اس الزام کی قوت جاتی رہے گی لیکن میں سمجھتا ہوں طاقت ہمیشہ سچائی میں ہوتی ہے دورُخ طریق میں نہیں ہوتی اور نہ حق کو چھپانے میں ہوتی ہے۔ ابتداء سے یہی میرا اصل رہا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیشہ مجھے اس اصل پر قائم رکھے کہ ہم سچائی کے پیچھے چلیں اس کے پیچھے نہ جائیں کہ لوگوں پر ہماری باتوں کا کیا اثر ہوتا ہے لوگوں پر جو بھی اثر ہو ہو۔ ہمیں نہیں چاہئے کہ ہم سچائی کو کسی طرح چھپا دیں۔ میں جانتا ہوں کہ آجکل لوگوں میں عادات کی خرابی کی وجہ سے یہ نقص ہے کہ اگر کسی ایسے شخص کی کوئی نیکی بیان کی جائے جس سے انسان کو شکوہ ہو تو وہ سن کر کہہ دیتے ہیں پھر کیا ہؤا۔ ہر شخص میں کوئی اچھی بات بھی ہوتی ہے اور کوئی بُری بھی۔ پس اس قدر شکوہ کیوں کرتے ہو۔ اس قسم کے لوگوں کے سامنے یقیناً ہمارے دلائل کمزور ہو جائیں گے اور وہ جھٹ کہنے لگیں گے کہ جب تمہارے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے بعض حکام نے ظلم اور انصاف دونوں طرح سے کام لیا ہے تو ظلم کو بھول جاؤ اور انصاف کو یاد رکھو آخر غلطیاں بھی تو انسان سے ہی ہوتی ہیں۔ سچائی کی اِتّباع میں یہ دقّت ہمیں ضرور پیش آئے گی مگر یہ کمزوری سچائی کو چھوڑ دینے سے کم خطرناک ہے۔ اگر لوگوں میں یہ عادت

ہے کہ وہ کسی کی ایک خوبی سن کر اُس کے عیوب کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ لوگوں کی اِس عادت کو دور کریں نہ یہ کہ سچائی کو ہی چھوڑ دیں۔ ہمیں دھڑلے سے سچائی کا اظہار کرنا چاہیئے اور پھر پوری قوت سے لوگوں کے عیب کو بھی دور کرنا چاہیئے ہمیں کہنا چاہیئے کہ گورنمنٹ نے فلاں غلطی کی اور ہمیں یہ بھی کہنا چاہیئے کہ گورنمنٹ نے فلاں اچھی بات کی۔ ہمیں اس بات کے کہنے سے شرمانا نہیں چاہیئے کہ گورنمنٹ کے بعض افسر اچھے ہیں اور نہ یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم ان کی نیکی کو چھپا دیں بلکہ جو افسر نیک کام کریں ہمارا فرض ہے کہ ہم کہیں انہوں نے نیک کام کیا اور جو افسر بُرا کام کریں ہمارا فرض ہے کہ ہم کہیں انہوں نے بُرا کام کیا۔ ہم صداقت قائم کرنے کیلئے دنیا میں کھڑے کئے گئے ہیں اور ہمارا فرض صرف یہی نہیں کہ ہم زید اور بکر کی اصلاح کریں بلکہ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ گورنمنٹ کی بھی اصلاح کریں۔ اگر ہم حکومت کے افسروں کی نیکیوں کو چھپائیں تو ہمارے مذہب اور ہمارے اخلاق کا ان پر کیا اثر ہوسکتا ہے۔ وہ یہی کہیں گے کہ دنیاداروں کی طرح یہ بھی ہمارے عیب تو بیان کرتے ہیں مگر خوبیاں چھپاتے ہیں مگر جب ہم ان کی خوبیاں بھی بیان کریں گے اور برائیاں بھی ان کی اصلاح کیلئے ان کے سامنے رکھیں گے تو ان میں سے جو نیک طبائع ہوں گی وہ کہیں گی یہ نمونہ بہت اچھا ہے آؤ ہم بھی یہی نمونہ اختیار کریں اور جب وہ ہمارا نمونہ اختیار کریں گے تو ملک میں امن قائم ہو جائے گا اور چونکہ ہماری غرض نہ حکومت کو نقصان پہنچانا ہے نہ پبلک کو بلکہ ہماری غرض ملک اور قوم اور حکومت کو فائدہ پہنچانا ہے اس لئے جس ذریعہ سے نیکی اور تقویٰ پیدا ہو وہی ذریعہ ہمیں اختیار کرنا چاہیئے خواہ عارضی طور پر اس کے نتیجہ میں ہمیں کوئی تکلیف بھی پہنچ جائے۔ ہمارے ملک میں یہ عام رواج ہے کہ اگر آرام سے کوئی کہے کہ مجھے فلاں نے تھپڑ مارا ہے تو اس سے دوسرے کے دل میں ہمدردی پیدا نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی معمولی تھپڑ بھی مارے اور دوسرا زور زور سے چیخیں مارنی شروع کر دے تو اوروں کے دل میں فوراً ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ وہ درد سے نہیں چیخ رہا ہوتا بلکہ درد پیدا کرنے کیلئے چیخ رہا ہوتا ہے۔

میں اِس دفعہ دھرمسالہ کے قیام کے دوران میں ایک مرتبہ دھرمسالہ جارہا تھا تو ہماری موٹر کے سامنے چند ہندو چیختے چلاتے ہوئے آئے اور کہنے لگے ایک حادثہ ہوگیا ہے ہماری موٹر

دوسری موٹر سے ٹکرا گئی ہے میرے ساتھ چونکہ ڈاکٹر صاحب بھی تھے اس لئے میں نے موٹر کو ٹھہرا لیا اور ہم سب نیچے اُتر آئے۔ انہی ہندوؤں میں ایک بڈّھا بھی موجود تھا وہ زور سے چیخ مار کر کہنے لگا وہ عورتوں کی لاشیں پڑی ہیں ان لاشوں کو تو کم سے کم آپ پٹھانکوٹ پہنچا دیں۔ یہ سن کر ہم جلدی سے وہاں پہنچے کہ دیکھیں کتنی لاشیں ہیں مگر جب پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان لاشوں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا رکھا ہے یعنی سب زندہ ہیں۔ اب ان عورتوں کو لاشیں اس نے اسی لئے کہا کہ عام ہندوستانی جب تک یہ نہ سُنے کہ لاشیں پڑی ہیں اُس وقت تک وہ اپنی موٹر سے نیچے نہیں اُترتا اور وہ چونکہ ہمارے اخلاق سے ناواقف تھا اس لئے اُس نے لاشیں کہہ کر ہماری ہمدردی کے جذبات کو اُبھارنا چاہا۔ خیر شیخ بشیر احمد صاحب کو ساتھ لے کر کہ وہ بھی اس سفر میں میرے ہمراہ تھے موٹر میں پٹھانکوٹ گیا وہاں موٹر کا انتظام کروایا گیا اور پولیس کو اطلاع دی گئی اور ڈاکٹر صاحب اور نیر صاحب کو ہم پیچھے چھوڑ گئے تا زخمیوں کی مرہم پٹی اس عرصہ میں ہو جائے۔ میں ضمناً یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ گورنمنٹ کا انتظام اس بارے میں خطرناک طور پر ناقص ہے۔ میں نے بتایا ہے کہ ان لوگوں میں سے مرا کوئی نہ تھا لیکن ان میں سے ایک مریضہ پسلی میں درد کی شکایت کرتی تھی اور ڈاکٹر صاحب کو خطرہ تھا کہ وہ درد ہڈی ٹوٹنے کے سبب سے نہ ہو اور مُہلک ثابت نہ ہو۔ اس لئے جب ہم پٹھانکوٹ پہنچے تو شیخ بشیر احمد صاحب نے تفصیلاً پولیس والوں کو اصل حالات سے اطلاع دے دی لیکن باوجود حالات کی نزاکت کے پولیس والے پہلے تو اس بحث میں لگے رہے کہ وہاں جائے کون پھر ایک بیٹھ گیا کہ لاؤ پرچہ چاک کرواؤ اور بیان لکھواؤ اور چالیس منٹ اِس طرح ضائع کر دیئے گئے۔ دنیا کی کسی مہذب حکومت میں ایسی حماقت پولیس والے نہیں کر سکتے۔ اگر انگلستان میں ایسا واقعہ ہو تو وہ کان پکڑ کر ایسے پولیس والے کو نکال دیں مگر پولیس نے کافی وقت ضائع کیا۔ میں موٹر میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا شیخ بشیر احمد صاحب بہت دیر کے بعد واپس آئے تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ اتنی دیر آپ نے کیوں لگائی؟ انہوں نے بتایا کہ پولیس والوں نے ضمنیاں لکھنی شروع کر دی تھیں اور آپس میں یہ طے کر رہے تھے کہ کون اس کام کیلئے جائے۔ آخر بمشکل انہیں تیار کیا ہے۔ اب یہ تو اتفاقی بات تھی کہ ڈاکٹر صاحب ہمارے ساتھ تھے اور انہوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی لیکن اگر ڈاکٹر صاحب ساتھ نہ ہوتے تو زخمیوں کی اتنی دیر کون مرہم پٹی کرتا

اور اگر اِس وجہ سے ان میں سے کوئی مر جاتا تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوتی۔ ایسے موقع پر پہلا فرض پولیس کا یہ ہونا چاہئے کہ جس وقت اسے اس قسم کے حادثہ کی اطلاع ملے جبری طور پر وہ کسی ڈاکٹر کو اپنے ساتھ لے اور پانچ دس منٹ کے اندر اندر حادثہ کے مقام پر پہنچ جائے لیکن وہاں پچاس منٹ کے بعد پولیس آئی اور اتنی دیر میں آدمی مر بھی سکتا ہے یا لا علاج بھی ہوسکتا ہے۔ غرض ضمنی طور پر میں حکومت کو اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں کیونکہ آجکل میرے لئے اپنے خطبہ کے ذریعہ اسے توجہ دلانا بہت آسان ہے کیونکہ ہر خطبہ اسے باقاعدہ پہنچتا ہے کہ اِس حماقت کا اُسے علاج کرنا چاہئے۔ ایسی حماقتوں کے ہوتے ہوئے کوئی شخص ہندوستان کی حکومت کو مہذب نہیں کہہ سکتا گورنمنٹ کو چاہئے کہ وہ پولیس والوں کو ہدایت دے کہ جب انہیں کسی حادثہ کی اطلاع ملے وہ رپورٹیں لکھنے نہ بیٹھ جایا کریں کیونکہ وہ وقت رپورٹیں لکھنے کا نہیں ہوتا بلکہ ان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ ڈاکٹر لے کر اور مرہم پٹی کا ضروری سامان لے کر حادثہ کے موقع پر پہنچیں۔ یہ ابتدائی حقوق ہیں جو بنی نوع انسان کے حکومت پر ہیں اگر گورنمنٹ یہ حقوق ادا نہیں کرتی تو وہ کوئی کام نہیں کرسکتی۔

میں نے یہ واقعہ اس امر کے ثبوت کے طور پر سنایا ہے کہ ہندوستانیوں میں یہ عادت ہے کہ جب تک وہ مبالغہ سے کام نہ لیں اُس وقت تک سمجھتے ہیں بات کا اثر ہی نہیں ہوسکتا اور اگر ان کے مخالف کی کوئی اچھی بات ہو تو اسے بھی اس لئے بیان نہیں کریں گے کہ اس طرح ہماری بات کا اثر کم ہو جائے گا گویا ان کے نزدیک جب تک یہ نہ کہا جائے کہ دکھ ہی دکھ ہے اُس وقت تک بات مؤثر نہیں ہوتی مگر یہ صحیح طریق نہیں اور ایک مؤمن تو اس طریق کو کبھی بھی اختیار نہیں کرسکتا۔ کسی شاعر نے کہا ہے

عیبِ مَے جملہ بگفتنی ہنرش نیز بگو

اے واعظ شراب کی خرابیاں تو تُو نے تمام بیان کر دیں لیکن قرآن میں یہ بھی تو لکھا ہے کہ اس میں خوبیاں بھی ہیں تُو ان خوبیوں کا بھی تو ذکر کر۔ پس حکومت کی بُرائیوں کو ظاہر کرنا اس کی اصلاح کیلئے جہاں ضروری ہے وہاں حکومت اگر کوئی اچھی بات کرے تو ہمیں اس کی تعریف بھی کرنی چاہئے اور ہمارا اختلاف تو حکومت سے ہے ہی نہیں بلکہ حکومت کے بعض افسروں سے ہے اور اس

صورت میں تو یہ اور بھی زیادہ ناجائز ہے کہ ہم اُس کی نیکیوں کو چھپائیں اور بدیوں کو بیان کریں۔ پس نیکی اور بدی دونوں کا اظہار اور اقرار کرنا ایک اچھی بات ہے لیکن ہندوستانی ذہنیت اس بارہ میں اِس قدر رِگری ہوئی ہے کہ میں نے دیکھا ہے ہماری مثالیں بھی اسی اخلاق کا آئینہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ کوئی دوست کسی دوست سے ملنے گیا اور اس نے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ راستہ میں مَیں نے ایک مزیدار نظارہ دیکھا ہے مگر اس پر اثر ڈالنے اور اس کی توجہ کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے وہ کہنے لگا وَاللّٰہِ بِاللّٰہِ ثُمَّ تَاللّٰہِ راستہ میں اس قدر خونریز جنگ ہو رہی تھی کہ تھانیسر بھول گیا۔ لاکھوں آدمی کٹا پڑا ہے۔ اس کے دوست کو پتہ تھا کہ یہ ہمیشہ اثر ڈالنے کیلئے بات کو بڑھا کر بیان کرتا ہے اُس نے پوچھا سچ سچ کہو کیا واقعہ تھا۔ وہ کہنے لگا بات یہ ہے کہ دو آدمی بُری طرح لڑ رہے تھے۔ اب یا تو لاکھوں آدمی کٹا پڑا تھا یا صرف دو آدمی بڑی بُری طرح لڑ رہے تھے کا واقعہ رہ گیا مگر دوست کو اس پر بھی اطمینان نہ ہؤا وہ کہنے لگا اچھا کہو نا بات کیا تھی؟ دوسرے نے جواب دیا بات یہ ہے کہ راستہ میں دو بلیاں آپس میں لڑ رہی تھیں۔ یہ طریق اچھا نہیں اور ہمیں اس خُلق کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہئے اور بالکل نڈر ہو کر اس طریق پر عمل کرنا چاہئے کہ نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی کہا جائے۔ بعض لوگ ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ کہا کہ گورنمنٹ نے فلاں فعل اچھا کیا ہے تو لوگ کہیں گے اگر گورنمنٹ کی اب اصلاح ہوگئی ہے تو اس کی گزشتہ کوتاہیوں کو معاف کیوں نہیں کر دیتے اور پچھلی باتوں کو جانے کیوں نہیں دیتے۔ چنانچہ صرف عام لوگ ہی نہیں بلکہ بعض ذمہ دار افسروں نے بھی کہا ہے کہ پیچھے جو باتیں ہو چکیں سو ہو چکیں اب اگر فلاں فلاں معاملہ میں گورنمنٹ نے آپ کے حسبِ منشاء فیصلہ کر دیا ہے تو خاموش کیوں نہیں ہو جاتے۔ اس دلیل سے بھی بعض لوگ ڈر جاتے ہیں مگر میں اس کا بھی جواب دے دیتا ہوں اور انہیں بتاتا ہوں کہ یہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں۔ میں اس دلیل کی کمزوری ظاہر کرنے کیلئے ایک مثال بیان کرتا ہوں۔

فرض کرو ایک شخص نے کسی کا گھوڑا چُرا لیا اور کچھ عرصہ کے بعد وہ اسی گھوڑے پر سوار ہو کر اس شخص کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھ سے غلطی ہوگئی کہ میں نے آپ کا گھوڑا چُرا لیا آپ لِلّٰہِ فِی اللّٰہِ مجھے معاف کر دیں آپ کی بہت ہی عنایت ہوگی۔ گھوڑے کے مالک نے جب دیکھا کہ یہ اس گھوڑے پر ہی سوار ہو کر معافی طلب کرنے کیلئے آیا ہے تو وہ سمجھا کہ اب میرا گھوڑا تو

مل ہی جائے گا آؤ جھگڑے کو کیوں طول دیں اور جیسا کہ ہمارا عام ہندوستانی طریق ہے کہنے لگا اجی صاحب! ہم اور آپ کیا دو ہیں غلطی تو ہر ایک سے ہو ہی جایا کرتی ہے اور میں بھی غلطی کا پتلا ہوں آپ کو میں نے دل سے معاف کیا۔ اس پر چور کہنے لگا اچھا تو آپ نے اپنے دل سے یہ بات نکال دی؟ گھوڑے کے مالک نے جواب دیا ہاں ہاں میں نے بالکل دل سے نکال دی ہے۔ اب مالک تو امید کر رہا تھا کہ یہ معافی مانگ کر گھوڑا مجھے واپس دے جائے گا لیکن چور نے جو کچھ کہا وہ یہ تھا کہ اچھا بھائی صاحب آپ کا بہت شکریہ اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ جا اور یہ جا۔ مالک بیچارہ منہ دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ بتاؤ کیا یہ معافی ہوسکتی ہے؟ اگر گورنمنٹ کے وہ افسر جنہیں شکوہ ہے کہ ہم پچھلی باتوں کو بھلا کیوں نہیں دیتے چاہتے ہیں کہ ہم انہیں معاف کر دیں تو ہم آج بھی انہیں معاف کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن وہ ہمارے نقصان کا ازالہ بھی تو کریں۔

نقصان ہمیشہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کا ازالہ نہیں ہوسکتا اور ایک وہ جن کا ازالہ ہر وقت ہوسکتا ہے۔ جن کا ازالہ نہیں ہوسکتا ان کے متعلق وہ معافی مانگ لیں اتنا ہی کافی ہے لیکن جن کا ازالہ ہوسکتا ہے اُن کا ازالہ کر دیں تو آج ہی تمام جھگڑا ختم ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر وہ افسران جن کے خلاف ہمیں شکوہ ہے یہ چاہیں کہ لفظوں سے ہمیں خوش کر دیں لیکن ہمارے نقصان کی تلافی نہ کریں تو یہ معافی، معافی نہیں کہلا سکتی۔ ہمیں جو نقصان پہنچے ہیں ان میں گو بعض ایسے ہیں جن کی تلافی نہیں ہوسکتی مگر بعض ایسے ہیں جن کی تلافی ہوسکتی ہے۔ جن کی تلافی نہیں ہوسکتی اُن کے متعلق ہم بھی انہیں مجبور نہیں کرتے لیکن جن کی تلافی ہوسکتی ہے جب تک وہ اس کا ازالہ نہ کریں گے اُس وقت تک ہمارا اور ان افسروں کا جھگڑا ختم نہیں ہوسکتا۔

مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کے خلاف جماعت میں جوش

تیسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کے متعلق طبائع میں جو جوش ہے وہ جوش کسی صورت میں دب نہیں سکتا بلکہ یہ اُبھرتا اور بار بار ظاہر ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں قادیان میں بعض لوگوں نے زور و شور سے تقریریں کیں، بعض نے قربانیوں کے ڈراوے دیئے، بعض نے حکومت سے شکوہ کیا۔ حکومت سے شکوہ بِالکل بجا اور درست ہے اور میں خود بھی اِس کا مؤید ہوں مگر حکومت سے صرف چند افسر مراد ہیں ساری برطانوی حکومت مراد نہیں کیونکہ اس فیصلہ میں سارے برطانیہ کا دخل نہیں۔ اگر ہم ایسا کہیں تو یہ

جھوٹ ہوجائے گا۔ پنجاب کے بعض افسروں کا اس معاملہ میں دخل ضرور ہے مگر اسی پنجاب میں بیسیوں انگریز افسر ہیں جن کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً فیروز پور، جھنگ، ملتان اور دوسرے کئی ضلعوں کے انگریز افسروں کا اس سے کیا تعلق ہے؟ پھر ساری پنجاب گورنمنٹ کا بھی اس میں دخل نہیں کسی ایک حصہ کا ہے۔ پس میں نہیں سمجھ سکتا کہ بعض مقرروں نے یہ کس طرح کہہ دیا کہ ہم برطانیہ سے ناراض ہیں۔ برطانیہ پر بھی ہم نے حجت پوری نہیں کی جب تک ہم اس پر حجت پوری نہ کرلیں ہمارا ہرگز یہ حق نہیں کہ ہم اپنی ناراضگی کو وسیع کریں۔ ہماری ناراضگی ان افسروں پر ہے جن پر حجت تمام ہوگئی ہے مگر انہوں نے ہمارے نقصانات کے ازالہ کی کوئی پروانہیں کی لیکن اگر ہم حجت پوری کردیں تب بھی برطانیہ کے وہ شریف آدمی جن کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی تعریف کی ہے ہم ان کی کس طرح مذمت کرسکتے ہیں۔ بھلا کرنل ڈگلس کی موجودگی میں ہم انگریزی قوم کی کس طرح مذمت کرسکتے ہیں یا سرابٹسن سابق لیفٹیننٹ گورنر جیسے آدمی جس قوم میں ہوں اس قوم کی ہم کس طرح مذمت کرسکتے ہیں۔ یہ گورنر ہوکر جب پنجاب میں آئے تو آتے ہی انہیں سرطان کا مرض لاحق ہوگیا ڈاکٹروں نے انہیں کہہ دیا کہ وہ جلدی مرجائیں گے چنانچہ چھ ماہ کے بعد وہ مرگئے۔ جب یہ پنجاب میں آئے تو انہوں نے آتے ہی ایک نوٹ لکھا جس کی اُسی وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اطلاع ہوگئی۔ غالباً ۱۹۰۷ء کے آخر کی بات ہے انہوں نے اس نوٹ میں لکھا کہ جماعت احمدیہ ایک نہایت ہی وفادار جماعت ہے لیکن ہماری گورنمنٹ اسے ہمیشہ شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتی رہی ہے اگر میں زندہ رہا تو پہلا کام یہ کروں گا کہ اس ظلم کو دور کروں۔ اس قسم کے شریف الطبع لوگوں کی موجودگی میں ہم ساری انگریزی قوم کو کس طرح بُرا کہہ سکتے ہیں بلکہ آج بھی ایسے انگریز موجود ہے جو ہم سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ پس پنجاب گورنمنٹ کو بھی ہم بُرا نہیں کہہ سکتے صرف اُن افسران کو بُرا کہہ سکتے ہیں جن سے ہمیں نقصان پہنچا۔ پس اپنے شکوے کو وسیع نہ کرو اور ساری برطانوی حکومت کو الزام نہ دو۔

مجھے معلوم ہؤا ہے کہ بعض مقرروں نے کہا ہے کہ برطانوی نمائندوں نے ہمارے مبلّغین کی کبھی مدد نہیں کی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولوی جلال الدین صاحب شمس کی انہوں نے مدد نہیں کی لیکن بعض برطانوی نمائندوں نے مدد کی بھی ہے۔ مثلاً روس میں جو ہمارے مبلّغین گئے

تھے ان کی نہایت تکلیف دِہ اوقات میں انگریزی قونصلوں نے مدد کی، بعض دفعہ قرض کے طور پر روپیہ بھی دیا اور ہماری ہدایتوں کے مطابق انہیں واپس پہنچایا۔ پس یہ غلط بیانی اور جھوٹ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ برطانوی نمائندوں نے ہماری کبھی مدد نہیں کی۔ برطانوی نمائندوں میں سے جنہوں نے ہماری مدد کی وہ شریف انسان اور سچے برطانوی تھے اور جنہوں نے ہماری مدد نہیں کی وہ ذلیل انسان اور جھوٹے برطانوی تھے۔

انہی دنوں تحریک جدید کے ماتحت سپین میں جو ہمارا آدمی گیا ہؤا ہے انگریزی قونصل نے اس سے اظہارِ ہمدردی کیا اور کہا کہ چونکہ لڑائی ہو رہی ہے اس لئے میں تمہارے لئے سپین سے باہر جانے کا انتظام کر دیتا ہوں اور تم مطمئن رہو کہ تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ مگر اس نے کہا میں تو مرنے کیلئے ہی آیا ہوں میں یہاں سے نہیں جا سکتا اور میں تو چلا ہی اس نیت سے تھا کہ قربانی کروں گا۔ پس اگر میری جان کی قربانی کی ضرورت ہے تو میں یہاں سے کس طرح جا سکتا ہوں۔ پھر انگریزی قونصل نے اسے یقین دلایا کہ ہم ہر طرح تمہارا خیال رکھنے کیلئے تیار ہیں۔ ہم نے اپنے مبلّغ کا حال معلوم کرنے کیلئے جو تار دیا اس کا بھی اس نے ہماری تشفی کیلئے تار میں ہی جواب دیا حالانکہ وہ خط بھی لکھ سکتا تھا۔ تو برطانیہ کے اندر اب بھی شرفاء موجود ہیں اور یہ بالکل غیر شریفانہ رویہ ہوگا اگر بعض کے نقص کی وجہ سے ہم ان کے اچھے آدمیوں کی بھی مذمت کرنے لگ جائیں۔

میرے نزدیک نیشنل لیگ کو بجائے حکومت کا شکوہ کرنے کے کچھ اپنا اور کچھ مرکزی لیگ کا شکوہ کرنا چاہئے تھا اور کہنا چاہئے تھا کہ ہمارا قصور زیادہ ہے کہ ہم نے اب تک کچھ نہیں کیا۔ گورنمنٹ ڈرتی کسی حقیقت سے ہے جب اسے پتہ ہو کہ لوگ کہتے تو ہیں مگر کرتے کچھ نہیں تو وہ نہیں ڈرتی۔ کہتے ہیں کسی شخص نے اپنے باورچی خانہ کو دروازہ لگا دیا کیونکہ کُتّے اس کا کھانا کھا جاتے تھے۔ جب کُتّوں نے دیکھا کہ باورچی خانہ کو دروازہ لگ گیا تو وہ سب مل کر رونے لگے۔ ایک بڈھا کُتّا آیا اور پوچھنے لگا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگے ہم اسی باورچی خانہ پر پلتے تھے مگر اب وہاں دروازہ لگا دیا گیا ہے اب ہم کیا کریں گے؟ وہ کہنے لگا بیوقوفو! دروازہ تو لگ گیا مگر اسے بند کون کرے گا؟ تو ڈرنے کی آخر کوئی وجہ بھی ہؤا کرتی ہے۔ جب دوسروں پر یہ اثر ہو کہ یہاں

باتیں ہی باتیں ہیں کرتے کراتے کچھ نہیں تو وہ ڈر کس طرح سکتے ہیں۔ نیشنل لیگ کو اس عرصہ میں میں نے بار بار کہا کہ تم اسلام اور قانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے بہت کچھ کر سکتے ہو مگر اس نے کچھ نہیں کیا۔ اگر وہ اسلام اور قانون کے اندر رہتے ہوئے کچھ کرتے اور انہیں ناکامی ہوتی تو وہ مجھ پر الزام لگاتے مگر یہاں یہ حالت ہے کہ پہلے کور بنی اور پھر جس طرح غبارہ اُڑتا ہے وہ کور غائب ہوگئی۔ اب مولوی عطاء اللہ صاحب کے آنے کا خیال تھا تو پھر کور ظہور میں آگئی۔ ایسی کور جو مولوی عطاء اللہ صاحب کے آنے پر بنتی ہے ''بخاری کور'' ہی کہلا سکتی ہے احمدی کور تو نہیں کہلا سکتی۔

میں چونکہ اب فیصلہ کر چکا ہوں کہ نیشنل لیگ کے افراد سے سکیم کی بات نہیں کروں گا کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے افراد تو نہیں لیکن اگر نیشنل لیگ کا نمائندہ وفد میرے پاس آئے تو میں اب بھی کام کرنے کیلئے ایک سکیم اُس کے سامنے رکھ سکتا ہوں۔ جوں جوں ترقی ہوتی جائے گی اس سکیم میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا اور وہ سکیم ایسی ہوگی جو اسلام اور رائج الوقت قانون کے مطابق ہوگی۔ اب تک میں نے اس سکیم کو اس لئے ان کے سامنے نہیں رکھا کہ میں چاہتا تھا کہ وہ اپنی عقل استعمال کریں لیکن چونکہ انہوں نے اپنی عقل سے کام نہیں لیا اس لئے وہ اب بھی میرے پاس آجائیں میں انہیں سکیم بتا دوں گا۔

اِسی سلسلہ میں میرے پاس شکایت کی گئی ہے کہ نیشنل لیگ کے حال کے جلسہ کے بعد ممبروں میں ایسی باتیں دیکھنے میں آئی ہیں جو اسلام اور احمدیت کے وقار کے خلاف ہیں مثلاً کاغذ کی ٹوپیاں ہیں جو سروں پر پہن رکھی ہیں اور ان پر کچھ فقرے لکھے ہوئے ہیں جن کا کچھ بھی فائدہ نہیں اور پھر وہ ٹوپیاں بعض معذوروں کو پہنا دی گئیں ہیں جیسے اسی قسم کی ٹوپی میاں شمس الدین صاحب معذور کے سر پر بھی رکھ دی گئی ہے۔ شکایت کنندہ صاحب کہتے ہیں یہ ایسی ہی بات ہے جیسے زمیندار اخبار والے ایک معمولی حیثیت کے شخص کا نام اخبار کی پیشانی پر بطور ایڈیٹر لکھ دیتے تھے اور خود تمام کام کرتے تھے۔ جس وقت مضمون کی بناء پر جیل میں جانے کا وقت آتا تو وہ معمولی حیثیت کا آدمی اندر چلا جاتا اور ایڈیٹر صاحب باہر دندناتے پھرتے۔ اسی قسم کی حرکت میاں شمس الدین صاحب معذور کے سر پر ٹوپی رکھ کر کی گئی ہے اور ٹوپی پہنانے والے نے سمجھا ہے کہ اگر جیل میں جائے گا تو شمس الدین جائے گا لکھنے والا تو گھر بیٹھا رہے گا۔ میں سمجھتا ہوں

اگر کسی نے اِس نیت سے اُسے ٹوپی پہنائی ہے کہ پکڑا وہ جائے گا اور میں گھر میں بیٹھا رہوں گا تو وہ نہایت پاجی، نہایت خبیث اور نہایت نالائق انسان ہے لیکن اگر کسی نے تمسخر کے ساتھ اس کے سر پر ٹوپی رکھ دی ہے تب بھی میں اسے کہوں گا کہ تُو نے بڑی نادانی کی۔ دینی معاملات میں تمسخر جائز نہیں ہوتا لیکن اگر یہ اعتراض کرنے والا سمجھتا ہے کہ اس قسم کے فقرات کے نتیجہ میں قانونی رنگ میں کوئی الزام عائد ہوسکتا ہے تو وہ بھی غلطی کرتا ہے۔ نیشنل لیگ نے مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کے متعلق حکومت کو بار بار توجہ دلائی، ہائی کورٹ نے اس فیصلہ کو ردّ کیا لیکن وہ فیصلہ آج تک شائع ہوتا ہے اور اس سے روکا نہیں جاتا بلکہ حکومت نے نیشنل لیگ کے صدر کو صاف کہا ہے کہ ہم نے قانونی مشورہ لیا ہے ہم اس کی اشاعت کو روک نہیں سکتے۔ پس اگر مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کی اشاعت کو گورنمنٹ روک نہیں سکتی تو مسٹر کولڈ سٹریم کے فیصلہ کو وہ کس طرح روک سکتی ہے اور اس کے فقرات کے استعمال کو وہ قانونی رنگ میں کس طرح زیرِ الزام لاسکتی ہے۔ پس بے شک اس فیصلہ کو چھتوں پر لکھ لیا جائے اس میں کوئی حرج نہیں پس اس دوست کو تسلی رکھنی چاہئے کہ میاں شمس الدین جیل میں نہیں جائے گا بلکہ وہیں بیٹھا رہے گا۔

باقی رہا یہ کہ نیشنل لیگ کا یہ فعل وقار کے خلاف ہے ایک حد تک میں بھی اس سے متفق ہوں۔ آج ہی راستہ میں مَیں نے بہت سے والنٹیئروں کو سروں پر کاغذ کی ٹوپیاں پہنے دیکھا ہے اور اب بھی میرے سامنے اس قسم کی ٹوپیاں پہنے ہوئے والنٹیئر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے تو ان کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا بھان متی کا تماشہ ہے بھلا اس قسم کے تماشہ سے کیا بن سکتا ہے۔ اس فیصلہ کے متعلق بتانا تو ایک ہندو کو ہے کہ یہ فیصلہ غلط ہے اور ہائی کورٹ اِس فیصلہ کو ردّ کر چکی ہے، اس فیصلہ کے متعلق بتانا تو ایک سکھ کو ہے کہ یہ فیصلہ غلط ہے اور ہائی کورٹ کا ایک جج اِس فیصلہ کو ردّ کر چکا ہے، اس فیصلہ کے متعلق بتانا تو ایک عیسائی کو ہے کہ یہ فیصلہ غلط ہے اور مسٹر کھوسلہ سے بھی بڑا جج اس فیصلہ کو باطل کر چکا ہے، مگر کاغذ کی ٹوپیاں پہنے ہوئے نوجوان بیٹھے یا کھڑے میرے سامنے ہیں گویا مجھے بھی اِس بات میں شبہ ہے کہ یہ فیصلہ غلط ہے یا صحیح۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ کور کے ممبر وردیاں پہنے اور ہاتھ میں ڈنڈے لئے کھڑے ہیں لیکن سر پر کاغذ کی ٹوپیاں رکھی ہیں۔ مجھے اِس پر ایک لطیفہ یاد آگیا اور جب میں خطبہ پڑھانے آرہا تھا تو اُس وقت بھی اِس لطیفہ کا تصور کر کے اور کور

کے ممبروں کو دیکھ دیکھ کر میرے لبوں پر مسکراہٹ آجاتی تھی۔ایک دفعہ یہاں غیر احمدیوں کا جلسہ ہوا انہوں نے بڑا مجمع کیا۔ ہماری تعداد اُس وقت تھوڑی تھی اور ہمیں اُن کی طرف سے خطرہ تھا ہم نے بھی اس کے مقابلہ میں اپنا انتظام کیا اور پہرے دار لگا دیئے جو اِدھر اُدھر چکر کاٹتے تھے۔ یہاں ایک بابا ہیھ ہوتے ہیں ان کی عادت ہے کہ مجلس میں بیٹھے بیٹھے زور سے ان کی ہیھ کی آواز نکل جاتی ہے وہ پہلے کسی زمانہ میں ذکر الٰہی کرتے رہے ہیں اور ذکر الٰہی کی اسی عادت کی وجہ سے اب ان کے سینہ سے بعض دفعہ بے اختیار ہیھ کی آواز زور سے نکل جاتی ہے اور بعض دفعہ اس زور سے نکلتی ہے کہ کئی لوگ اسے سن کر کانپ جاتے ہیں۔جلسہ کے دن عصر کے بعد مَیں نماز پڑھا کر گول کمرہ میں جہاں منتظمین کا دفتر تھا مشورہ کیلئے گیا۔وہاں میں اور درد صاحب اور میاں بشیر احمد صاحب بیٹھے تھے میرا لڑکا مبارک اُس وقت کوئی ساڑھے سات سال کا تھا وہ بھی وہاں تھا اور بھی کئی لڑکے ہم نے وہاں کھڑے کئے ہوئے تھے تا کہ بوقتِ ضرورت اِدھر اُدھر پیغام پہنچائیں۔ میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ وہ بابا صاحب جن کا نام ہی لوگوں نے بابا ہیھ رکھ دیا ہوا ہے مسجد سے اُترتے ہوئے بیتاب ہو گئے اور انہوں نے زور سے ہیھ کی آواز نکالی جسے سن کر کئی لوگ کانپ گئے ان کی اس آواز کو سن کر میرا لڑکا مبارک احمد دوسرے لڑکوں کے پاس گیا اور انہیں ایک قطار میں کھڑا کر کے کہنے لگا تم سپاہیوں کی طرح کھڑے ہو جاؤ پھر نہایت سنجیدگی سے کہنے لگا کہ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی اور وہ یہ ہے کہ سپاہیوں کو افسر قطار میں کھڑا کر دیتے ہیں اور پھر حکم دیتے ہیں اٹینشن! اور وہ اس حکم کو سن کر بالکل چُست ہو کر ساکت کھڑے ہو جاتے ہیں۔اب ایسے موقع پر جبکہ افسر فوج کو کھڑا کر کے اٹینشن کا حکم دے رہا ہو اور یہ بابا جی وہاں آکر ہیھ کر دیں تو بجائے چُست ہو کر کھڑے ہونے کے سب سپاہی کانپ جائیں گے اور صفیں خراب ہو جائیں گی۔پس اس ہیھ کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ لطیفہ آج مجھے بار بار یاد آتا ہے کور کے ممبر اٹینشن ہو کر کھڑے ہیں مگر سروں پر تماشہ رکھا ہوا ہے یہ بات فی الواقعہ وقار کے خلاف ہے لیکن اس موقع پر میں یہ بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ وقار کی بھی تشریح کر دوں کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ وقار کے لفظ کے رُعب سے کئی دوست سچی خدمت سے محروم نہ ہو جائیں لیکن چونکہ اب عصر کا وقت قریب آرہا ہے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی تو اگلے جمعہ میں مَیں اِس مضمون کو بیان کروں گا اور اس پر

علمی بحث کروں گا تا ایسا نہ ہو کہ جماعت کے لوگ سُست اور غافل ہو جائیں اور جو کام وہ کر رہے ہیں وہ بھی چھوڑ دیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی تو اگلے جمعہ میں مَیں یہ بتاؤں گا کہ وقار کے کیا معنے ہیں، وقار کا کس حد تک خیال رکھنا چاہیئے اور کس حد تک وقار وقار نہیں بلکہ بے حیائی بن جاتا ہے۔ فی الحال میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ بعض ایسی باتیں ہیں جنہیں لوگ بے وقاری کا موجب سمجھتے ہیں حالانکہ وہ وقار کا موجب ہوتی ہیں اور کئی باتیں ہیں جنہیں وہ وقار والی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ وقار کے خلاف ہوتی ہیں۔

(الفضل ۳/اکتوبر ۱۹۳۶ء)